کو تفویض کیا ہے اور نہ ہی کسی ولی و امام کو۔ سرکار خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ حرامِ خداوندی کو حلال یا حلالِ الٰہی کو حرام قرار دیں۔ "لم تحرم ما احل اللہ لک۔" "تا بدیگراں چہ رسد؟" آنحضرتؐ بموجب ارشادِ قدرت "یا ایھا الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربک" آپؐ مبلغِ دین و ناشرِ شریعتِ رب العالمین تو ہیں مگر مقنن قانون اور مشرع شریعت نہیں ہیں۔

(۲) اس دائرہ عمل میں اجتہاد کا کیا مقام ہے؟

سابقہ بیان سے اس سوال کا جواب بھی واضح و عیاں ہو جاتا ہے کہ اجتہاد کے ذریعہ سے کسی شرعی و دینی قانون سازی کا کام نہیں لیا جاتا بلکہ اسکے ذریعہ سے خدا کے بنائے ہوئے اور پیغمبرِ اسلام کے پہنچائے ہوئے قواعدِ کلیہ کو ان کے مختلف جزئیات پر منطبق کیا جاتا ہے' اور اس کی مدد سے نئے نئے پیش آمدہ مسائل کے دلائل قرآن و سنت سے تلاش کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ دینِ اسلام کامل بلکہ اکمل اور خدا کا آخری پسندیدہ دین ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام اور اس دین کے قانون کی کتاب یعنی قرآن مجید میں جمیع ما یحتاج الیہ الناس۔ کو بیان کر دیا گیا ہے اور حقیقی معلم قرآن یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے" اس کی تشریح و تفسیر بھی بیان کر دی ہے۔ تاہم اس میں ہر ہر پیش آمدہ واقعہ کی جزئیات و تفصیلات عامۃ الناس کو نظر نہیں آتیں۔ یہ ایک مجتہد کا کام ہے کہ ہر دور کے مقتضیات کے مطابق قرآن و سنّت کے بحرِ ناپیدا کنار میں غوطہ زنی کر کے نئے نئے پیش آمدہ مسائل کے احکام کا استنباط کرے اور ہر ہر جزئی کو اس کی کلی کے ضمن میں داخل کرے اور اس کلی قانون کو اس جزئی پر منطبق کرے و بس۔

(۳) اجتہاد کی جامع و مانع تعریف

جب سابقہ بیان سے اجتہاد کے دائرہ کار کا تعین ہو گیا ہے تو اس سے اجتہاد کی فی الجملہ تعریف بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ اجتہاد۔ جد و جہد سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی کسی دشوار کام میں کوشش و کاوش کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی ہیں" استفراغ الوسع فی تحصیل العلم او الظن بالحکم یعنی (جامع الشرائط فقیہہ کا) کسی حکم شرعی کا علم یا ظن حاصل کرنے کی خاطر اپنی انتہائی کوشش و کاوش کا بروئے کار لانا" یا بالفاظ دیگر "بذل الطاقة فی تحصیل الوظائف الدینیة" یعنی (کسی فقیہہ کا) اپنا دینی وظیفہ معلوم کرنے میں اپنی ممکنہ طاقت و قوت کا صرف کرنا۔ اس تعریف سے ظاہر ہے کہ اجتہاد کی حیثیت شریعت میں کاشفیت کی ہے۔ اسے موضوعیت حاصل نہیں ہے۔

(۴) کیا قیاس استنباط کے علاوہ قرآن و سنّت کی تعبیر بھی اجتہاد کہلائے گی نیز ماخذ کی حیثیت سے قرآن و سنّت کا باہمی ربط کیا ہے؟

جہاں تک مذہب شیعہ کا تعلق ہے اس کے نقطۂ نگاہ سے قیاس کا مآخذِ قانون ہونا تو بجائے خود سرے سے قیاس ہی جائز نہیں ہے۔ اس مذہب میں گو بطور وزنِ بیت چار مآخذ ہیں (۱) قرآن (۲) سنّت (۳) اجماع (۴) عقل۔ مگر ان سب میں سے مرکزی و بنیادی حیثیت قرآن و سنّت کو حاصل ہے کہ قرآن اصل اور سنّت اس کی تفسیر و تشریح ہے جہاں تک اجماع کا تعلق ہے اس کی حجیت صرف قولِ معصوم کا حاکی یا اس کا کاشف ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ اس سے قطع نظر اس کی ذاتی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور جہاں تک عقل کا تعلق ہے یعنی اس بات کا کہ بلا بیان سزا دینا قبیح ہے۔ یا جب کسی چیز کے وجوب میں شک

ہوتو اصل برأت ہے۔ تو یہ بھی اس بنا پر ہے کہ اس کی تائید قرآن و سنّت سے ہوتی ہے ورنہ تنہا اس کی بھی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ ہی اس کے بل بوتے پر کوئی قانون بنایا جا سکتا ہے۔ بنابریں قرآن و سنت سے مقررہ طریقہ پر (جس کی وضاحت بعد ازیں کی جائے گی) استنباط و استخراجِ احکام اجتہاد کہلائے گا۔ لہٰذا جہاں قرآن و سنّت کی نص صریح موجود ہو، تو قرآن و سنّت کی تعبیر کو اصطلاح میں اجتہاد نہیں کہا جائیگا اور نہ ہی نص صریح کے بالمقابل اجتہاد کرنا کسی مذہب میں جائز ہے، بلکہ بالاتفاق بمقابلہ نص اجتہاد کرنا حرام اور باطل ہے۔ بہرکیف اصلی و حقیقی ماخذ دو ہیں ایک قرآن ــــ جسے مرکزی حیثیت حاصل ہے اور دوسری سنّت جو کہ قرآن کی تشریح و تفسیر ہے۔

(۵) کیا اس زمانہ میں آئمہ اربعہ کی رائے کیخلاف اجتہاد کرنا جائز ہے؟ ہاں یقیناً

جائز ہے۔ ہم حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اور دیگر اکابر اسلاف کا احترام کرنے کے باوجود اُن کی اس رائے سے اتفاق کرنے سے قاصر ہیں کہ "اس زمانہ میں کوئی اجتہاد ائمہ اربعہ کی رائے کے خلاف نہیں ہونا چاہیے" اور ہمارے اس اتفاق نہ کرنے کی وجوہ درج ذیل ہیں۔

(الف) سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کوئی آیت یا روایت اس زمانہ میں ایسے اجتہاد کی بندش پر دلالت نہیں کرتی۔ اس لیے یہ دعویٰ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

(ب) خود ائمہ اربعہ میں سے کسی امام نے یہ فتویٰ نہیں دیا کہ ان کے بعد ان کی رائے کے خلاف اجتہاد کرنا حرام ہے! بلکہ اس کے برعکس ان کے ایسے اقوال ملتے ہیں جن سے ان کی رائے کے خلاف اجتہاد کرنے کا جواز واضح ہوتا ہے۔ مثلاً

امام مالکؒ کہتے ہیں "میں ایک انسان ہوں جس سے خطاء وصواب دونوں ممکن ہیں میرے اقوال کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھا کرو"۔ امام اعظم فرماتے ہیں" یہ میری بہترین رائے ہے اگر کوئی اس کے خلاف رائے قائم کرے گا تو میں قبول کروں گا" اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں" اگر میرے قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث مل جائے تو میرے قول کو دیوار پر مارو" اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں" میں کلامِ خدا و رسولؐ کے ساتھ اپنے کلام کو نہیں ملا سکتا۔ اس لیے میں فقہ میں کوئی کتاب نہیں لکھوں گا" (امام الصادق والائمۃ الاربعہ) ان حقائق کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا دعویٰ "پیراں نمی پرند مریداں می پرانند" کا مصداق ہے۔ غالباً انہی حقائق کی بنا پر شیخ عبدالعظیم مکی نے اپنے رسالہ" القول السدید" میں اس تلخ حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ" خدا نے کسی شخص کو حنفی یا مالکی یا شافعی یا حنبلی بننے کا حکم نہیں دیا اس نے تو صرف رسولؐ اکرم کی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے"۔

(ج) قرآن و سنت کے سمجھنے کی کوشش کرنے کو کس نے ممنوع قرار دیا ہے؟۔

(د) ترقی یافتہ علوم کے سہارے قرآن و سنت سے زمانہ حاضرہ کی ضروریات کیمطابق استفادہ کرنے کو کس نے روکا ہے؟۔

(ہ) کیا ائمہ اربعہ کے بعد پیدا ہونے والے لوگ قرآن و سنت کو سمجھنے کے مکلف نہیں ہیں؟ اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو کیا وہ سب کے سب ناقص العقل والعلم ہیں؟ ان کے مقدر میں یہ نقص کس نے اور کیوں لکھ دیا ہے؟ اور سارا فضل و کمال صرف ان چار بزرگوں میں کس نے منحصر کر دیا ہے؟ انہی وجوہ کی بنا پر علامہ جمال الدین افغانی نے کہا ہے اور خوب کہا ہے کہ" اگر آج امام ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور احمد زندہ ہوتے تو ہر حکم کو قرآن و سنت سے نکالتے اور ہر غوطہ زنی سے نئی فکر پیدا کرتے"

(خاطرات جمال الدین افغانی) الغرض یہ دعویٰ چونکہ بالکل بے دلیل ہے اس لیے قابل قبول نہیں ہے۔ اس لیے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ باب اجتہاد کو مقفل کر دینا نہ صرف آزادیٔ فکر پر کاری ضرب ہے بلکہ اصل اسلام پر زبردست حملہ ہے۔ حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر اس باب کا کھولنا اشد ضروری ہے۔ اسی لیے مذہب شیعہ کی رو سے بابِ اجتہاد ہمیشہ کھلا رہے گا۔

(۶) فقہ اسلامی میں جمود کا اصل سبب؟ اس جمود وخمود کی کوئی شخص چاہے جو تاویل و توجیہ پیش کرے۔ مگر ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ جو شخص بھی اس کے حقیقی علل وعوامل کا بنظرِ غائر جائزہ لے گا۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ اس کا اصلی سبب خالص سیاسی تھا۔ سلاطین نے اجتہاد کو اس لیے روکا تھا کہ اپنے ملک کو بچائیں، اپنے مدمقابل کو دبائیں اور اگر کوئی مصلح و ریفارمر پیدا ہو تو اس کی آواز اور فکرِ جدید پر پہرے بٹھائیں تاکہ اس کی بات نہ سنی جائے اس لیے وہ فقہ اسلامی جس سے اسلام اور مسلمانوں کی زندگی وابستہ تھی منجمد ہو کر رہ گئی۔ اور اس کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ الغرض ان حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ بابِ اجتہاد کو بند کرنا کوئی شرعی کام نہ تھا بلکہ یہ کام تمام تر سیاسی مقاصد و اغراض کے ماتحت انجام دیا گیا تھا۔ لہٰذا آج اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اس جمود وخمود کی زنجیروں کو توڑا جائے اور باب اجتہاد کو کھول کر اس کی آب یاری کی جائے اور نئے پیدا شدہ مسائل کو نئے اندازِ فکر سے حل کرنے کی کامیاب کوشش کی جائے۔ اس حقیقتِ ثابتہ کا اعتراف علماء اہلسنت نے بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو الفلسفۃ السیاسیۃ للاسلام۔ للدکتور عبدالصائم الانصاری۔ الوحدۃ الاسلامیہ للشیخ محمد رشید رضا المصری)

(۷) آیا ائمہ اربعہ کے اصول و اجتہاد میں تغیر و تبدل جائز ہے؟

ہاں جائز ہے اور یقیناً جائز ہے۔ اور اس کی وجہ عنوان نمبر ۵ کے ذیلی بیان حقیقت ترجمان سے بالکل واضح و عیاں ہے۔ لہٰذا اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ مقام مذکور کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۸) ایک مجتہد میں کن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے؟

مجتہد جامع الشرائط میں چند اوصاف جلیلہ و جمیلہ کا پایا جانا ضروری ہے (۱) بلوغ (۲) عقل (۳) علوم آلیہ از قسم صرف و نحو، معانی و بیان و ادب اور اصولِ فقہ وغیرہ کی معتد بہ ضروری مقدار اور قدرے منطق۔ اور اسلامی علوم از قسم تفسیر و حدیث اور فقہ میں کامل دسترس و مہارت (۴) ملکۂ استنباط و استخراجِ احکام جو کہ ایک لطیفۂ ربانیہ و مواہبِ الٰہیہ ہے جس کے حصول کے لیے مذکورہ بالا صفت کے علاوہ کچھ اور صفات جلیلہ از قسم تخلق باخلاقِ عالیہ و تخلی از رذائلِ نفسانیہ ضروری ہے۔ (ذٰلك فضل اللّٰه یؤتیه من یشآء) (۵) علاوہ بریں مرجع تقلید (جس کی دوسرے تقلید کریں) جس میں ان امور کا ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے (أ) مرد ہونا (ب) آزاد ہونا۔ (ج) عادل ہونا۔ کیونکہ عورت، غلام اور فاسق و فاجر کی تقلید جائز نہیں ہے۔

(۹) اجتہاد کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

اس کا صحیح طریقہ کار یہ ہے۔ کہ جب کوئی نیا مسئلہ درپیش ہو تو مجتہد کو چاہیے سب سے پہلے قرآن اور اس کے بعد سنت کی طرف رجوع کرے اگر ان میں کوئی نص صریح مل جائے تو فبہا ورنہ قرآن و سنت کے کلیات پر نظرِ غائر ڈال کر دیکھے کہ یہ جزئی کس کلی کے تحت آتی ہے؟ کس قاعدہ کلیہ کے ضمن میں مندرج ہے؟ اور یہ خصوصی مسئلہ کس عمومی مسئلہ کے ذیل میں آتا ہے؟ اس سلسلہ میں متشرعہ کے عرف اور اہلِ علم و دین

کے مرتکزات سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی بنا پر پیشوایانِ دین کا ارشاد ہے "علینا القاء الاصول و علیکم ان تتفرعوا۔" اصول اور قواعدِ کلیہ پیش کرنا ہمارا کام ہے اور ان سے فروعی احکام استنباط کرنا تمہارا کام ہے! (ارشادِ امام جعفر صادقؑ)

(۱۰) اسلامی ریاست میں اجتہاد کو قانون کا مرتبہ کس طرح حاصل ہوگا؟ بادی النظر میں اس کا آسان طریقہ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام کے تمام مکاتبِ فکر کے صاحب الرائے (یعنی ملکہ استنباط رکھنے والے) چند اعلام کی حکومتی سطح پر ایک کمیٹی تشکیل دی جائے اور وہ تمام نئے پیش آمدہ مسائل پر آزادانہ فضا میں مکمل غور و فکر کریں اور جس نتیجہ پر پہنچیں اس کی سفارش حکومت کو پیش کریں اور حکومت اپنے خصوصی اختیارات کی بنا پر اسے قانون کا درجہ دے کر نافذ کرے۔ واللہ سبحانہٗ ولی التوفیق و بیدہ ازمۃ التحقیق۔ وما علینا الا البلاغ